نے ہی آپ کا کوئی قصور کیا ہے؟ کہ آپ اس کے معاملہ میں اس عنوان سے سوچنے پر تیار نہیں ہو سکتے اور طبری کی یا کسی ایسی ہی دوسری تاریخی یا غیر ثقہ دستاویز کی بنیاد پر اس کی خدماتِ اسلام، اس کی ایمان و ایقان سے لبالب زندگی، اس کی رسول علیہ السلام سے محبت اور اس سے رسول علیہ السلام کی دلچسپی اور اسے قریش کا دل و جگر کہہ کر خطاب کرنا سب کچھ ہی آپ کے نزدیک اب لائق توجہ و اعتنا نہیں رہ سکا۔

بڑا ہی ظلم ہے کہ آپ اسی طبری کے کہنے سے عائشہ رض، زبیر اور طلحہ رض کو حضرت علی رض کے معاند اور مخالف تو قرار دے لیتے ہیں اور اس نوع کی چند روایات پر اپنے مفروضہ کی دیوار اٹھاتے ہی چلے جاتے ہیں، لیکن اگر یہی طبری یہ کہتے ہیں کہ:

"احنف نے عثمان رض کی شہادت کی خبر سن کر حضرت عائشہ رض سے دریافت کیا کہ اب آپ مجھے کس شخص کی بیعت کرنے کا حکم دیتی ہیں تو حضرت عائشہ رض نے فرمایا۔ علی کی بیعت کر لو، احنف نے دوبارہ پوچھا کہ کیا آپ علی کی خلافت پر راضی ہیں تو حضرت عائشہ نے فرمایا۔ ہاں میں راضی ہوں" [1]

اور پھر یہی احنف حضرت طلحہ رض و زبیر رض سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک عثمان رض کے بعد مجھے کس شخص سے خلافت کی بیعت کرنی چاہیے؟ تو دونوں نے باتفاق کہا کہ علی رض کے ہاتھ پر بیعت کر لینا۔ احنف نے پھر پوچھا کہ کیا آپ علی رض کی خلافت پر راضی ہیں؟ تو وہ دونوں کہنے لگے، ہاں۔

تعجب ہے کہ آپ طبری کی وہ بات مانتے ہیں اور اس پر مسکرا کر نکل جاتے ہیں کیا اس لئے کہ وہ آپ کی ذہنی اعتقاد کے موافق ہے اور یہ مخالف؟

پس آپ مان لیجئے کہ طبری ہوں یا ابن سعد، ابن کثیر ہوں یا ابن اثیر ان سارے ہی بزرگوں نے آپ کے سامنے جو تاریخی مواد جمع کر کے لا رکھا ہے اس سارے ذخیرہ کی حیثیت کسی محققانہ اور محدثانہ تصنیف کی نہیں ہے۔ یہ جرح و تعدیل کی کتابیں نہیں ہیں۔ یہ نقد و بصیرت پر مشتمل دستاویزیں نہیں ہیں، ان میں ضعیف و قوی کی بحث نہیں کی گئی۔ ان میں صحیح و غلط کے حدود متعین نہیں کیے گئے۔ یہ صرف روایات کے چند خزانے ہیں جو انہوں نے ہر طریقہ سے جب جہاں اور جیسے مل سکیں قبول کر لیں جن

[1] طبری جلد ۳

عباد اللہ فاروقی

زوالِ دین اُس کے اسباب و علل

انبیاء کرام کے ظہورِ قدسی کے زمانہ میں ان کے اصحاب میں سے شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جسے اخلاق و اعمال میں اپنے پیغمبر سے مناسبت نہ رہی ہو۔ ان لوگوں کی اخلاقی اور عملی زندگی بے مثل تھی۔ ان کے بعد طبقہ ثانیہ کا ظہور ہوا جسے پیغمبر کی تعلیم بالواسطہ نصیب ہوئی تاہم اس کی دینی اور اخلاقی حالت بدستور درست رہی لیکن ان کے بعد جس قدر امت میں کثرت ہوتی گئی زیادہ سے زیادہ اغراض و خواہشات پیدا ہوتی گئیں۔ یہی نہیں بلکہ امتدادِ زمانہ اور اختلاف طبائع سے لوگوں کے اتفاق میں بھی خلل پڑنے لگا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دینی ولولہ ضعیف ہوتا گیا۔ اس طرح دلوں کی وہ پاکی اور نیتوں کی وہ صفائی جو طبقہ اولی کے افراد میں تھی، طبقہ ثانیہ کے اکثر افراد میں بتدریج کم ہوتی گئی۔ اس کے بعد وہ پرآشوب زمانہ آیا جس میں نہ تو خود لوگوں نے بانیٔ مذہب کو، نہ اس کے دیکھنے والوں کو دیکھا تھا اور نہ اپنی سعی و شوق سے انہوں نے اس دین و مذہب کو اختیار کیا تھا بلکہ انہوں نے جس مذہب پر اپنے باپ دادا کو پایا اسے اختیار کرلیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کے معاملہ میں بجائے تحقیق و تلاش کے یہ لوگ باپ دادا کی تقلید کرنے لگے اور امتدادِ زمانہ سے ان میں خود پسندی اور نفسانیت آگئی۔

دین کے زوال کی یہ وجہ یہ بھی ہوئی کہ مختلف قومیں جو اس دین میں شامل ہوئی تھیں، ان کی باتیں اس میں داخل ہوگئیں اور ان پر بھی دین کا اطلاق ہونے لگا۔

جتنے بھی پہلے ادیان گزر چکے ہیں ان کا کم و بیش یہی حشر ہوا۔ لوگوں نے اپنے پیغمبر کی کتاب کو چھوڑ کر رسم و رواج پر اکتفا۔ اور اِنَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اور بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہہ کر تحقیق سے ہاتھ اٹھا لیا۔ عقیدہ اس کو سمجھنے لگے جو آباء و اجداد سے سنا اور عمل

اس پر کرنے لگے جو ساتھیوں کو کرتے دیکھا خاندانی طریق پر چلنے کو اصل دین اور اس کو چھوڑ کر دین کی باتوں کی تحقیق کو بدعت کہنے لگے۔ بعرض جب غفلت، پابندی، رسم و رواج اور تقلید آباء و اجداد کے باعث دین کی اصل حالت باقی نہ رہی۔ تب اصلاح حال کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوسرا پیغمبر مبعوث فرمایا جس نے دین کی تحریف کو وانشگاف کیا اور باپ دادا کی سند پکڑنے والوں کو تنبیہ فرمایا۔ نیز لوگوں کو جمود اور تعطل کی حالت سے بیدار کیا۔ چنانچہ دنیا میں کثیر التعداد پیغمبر مبعوث ہوئے جنہوں نے ذہنی جمود، غلط رسم و رواج اور تقلید جامد کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ اس سلسلے میں جو تکالیف انہوں نے اٹھائیں وہ تمام تر تقلید اور پابندئ رسوم کی بدولت تھیں لیکن ان تمام اولوالعزم پیغمبروں نے نامساعد حالات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سب سے پہلے دین سابق کی اصلاح کی اور جو تحریف لوگوں نے اس میں کی تھی اسے وانشگاف کیا اور جس قدر رسم و رواج کے عناصر دین میں گھل مل گئے تھے ان کو الگ کیا اور خالص دین لوگوں کے سامنے پیش فرمایا۔

اس ضمن میں شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ:-

"پہلا سبب زوالِ مذہب کا بانی ملت اور صاحب شریعت کے اعمال اور اقوال سے چشم پوشی کرنا اور اپنے عقائد و اعمال میں اس کے عقائد اور اعمال کی مخالفت کرنا ہے"

دوسرا سبب ان کے نزدیک تعمق یعنی تکلیف بے جا کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص شارع کے کسی امر و نہی کی علت کو دوسری شے پر مطابق کر کے مثل شارع کے اس شے امر و نہی کا حکم دے یا نبی کے جملہ افعال کو عبادت سمجھ کر ان کے ان افعال کو جو انہوں نے عادتاً کیے ہوں فرائض میں شامل کرے

شاہ صاحب زوالِ مذہب کا تیسرا سبب یہ قرار دیتے ہیں:

"ان عبادات شاقہ کو اختیار کرنا جن کا اسی طرح شارع نے حکم نہیں دیا۔ اس طرح آداب کا مثل فرائض و واجبات کے التزام کرنا ہے۔ یہ وہی بیماری ہے جس میں یہود و نصاریٰ گرفتار ہو گئے تھے"

زوالِ مذہب کا چوتھا سبب ان کے نزدیک اجماع کا اتباع کرنا ہے۔ یعنی اگر کسی بات پر متعدد علماء متفق ہو جائیں تو ان کے اس اتفاق کو اس امر کے ثبوت کی دلیل قاطع سمجھنا۔

واضح رہے کہ اجماع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو وہ اجماع ہے جس کی سند کتاب و سنت میں ہو۔ یہ

اجماع واجب الاتباع ہے۔ دوسرا وہ اجماع ہے جس کی کتاب وسنت میں کوئی سند نہ ہو اور محض رسم ورواج کی بنا پر اجماع ہو گیا ہو۔ بعض حالات میں اس قسم کے اجماع کی مخالفت کرنا واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں جائز۔ یہ وہ اجماع ہے جس کی برائی قرآن مجید میں بار بار بیان فرمائی گئی ہے۔ اس اجماع ہی کے اتباع نے لوگوں کو دینِ اسلام قبول کرنے سے روکا اور اکثر لوگ اس اجماع کو بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہہ کر اپنے اوپر واجب کر دیتے تھے

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ:

"ہندوستان میں اجماع کی ان دونوں قسموں میں فرق نہیں کیا گیا بلکہ بلاتمیز ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا رہا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کو زوال آگیا۔ لوگ اس اجماع کی دلیل اپنے بزرگوں کی رسموں اور خاندانی عادات کو واجب العمل سمجھتے تھے اور ان باتوں کو جو صریح مخالف کتاب و سنت ہیں بمخالفت اجماع کے ڈر سے ترک نہیں کرتے تھے۔"

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک مذہب کے زوال کا پانچواں سبب غیر معصوم کی تقلید کرنا ہے۔ یعنی کسی مجتہد کی، یہ سمجھ کر کہ تمام مسائل میں اس کا اجتہاد صحیح اور درست ہے اور جو کچھ اس نے کتاب اور سنت سے استنباط کیا ہے وہ خطا اور غلطی سے محفوظ ہے۔ ایسی تقلید کرنا کہ اگر کوئی مسئلہ جس کا اس نے استخراج کیا ہو، صحیح نہ ہو اور اس کی غلطی ثابت ہو نیز حدیث بھی صریحاً اس کے خلاف موجود ہو اس حدیث کو چھوڑ کر اس مسئلہ میں اس مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنا باعث زوالِ دین ہوگا۔ یہ تقلید ہرگز وہ نہیں ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔ یعنی اکثر علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے اور ان کے استخراجی مسائل پر عمل کرنا درست ہے بلکہ اکثر حالت میں نہایت مفید اور ضروری بھی ہے مگر اس میں دو شرطوں کا ہونا لازم ہے۔

- اول یہ جاننا کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا بھی کر سکتا ہے اور صواب بھی،
- دوسرے منصوصات نبوی پر اس کو مقدم نہ کرنا یعنی اگر کسی مسئلہ میں مجتہد کے اجتہاد کے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو حدیث کا اتباع کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور تقلید کو ترک کرنا پڑتا ہے۔

ان شرائط کے بغیر مجتہد کی تقلید یقیناً زوالِ دین کا موجب ہوگی۔ اگلے اہلِ کتاب ایسی ہی تقلید کرتے تھے جن کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

"اہل کتاب نے اپنے احبار ورہبان کو رب ٹھہرالیا اور خدا کو چھوڑ دیا "

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اہل کتاب اپنے احبار ورہبان کی عبادت نہ کرتا تھا بلکہ وہ ان کو معصوم سمجھ کر ان کی ہر بات کی پیروی کرنا ضروری سمجھتے تھے جس شئے کو وہ حلال کہتے وہ اسے حلال مانتے جس کو وہ حرام قرار دیتے وہ اس کی حرمت کے قائل ہو جاتے۔ اس طرح یہ لوگ انبیاء کے اقوال واحکام کو اپنے اقوال احکام کے مقابلے میں پس پشت ڈالتے تھے اور اس کا لازمی نتیجہ زوالِ دین کی صورت میں ظاہر ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ایک علت کا دوسری علت میں خلط ملط کرنا زوالِ دین کا سبب ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ:

"جب کوئی شخص کسی دوسرے دین کی باتوں کو پسند کرکے ضعیف وجہ یا اس کی موضوع سند سے اس کا جواز ثابت کرے اور اسے اپنے مذہب میں اس طرح داخل کرے کہ پھر یہ تمیز نہ رہے کہ یہ باتیں کس مذہب کی ہیں بلکہ وہ اس قدر خلط ملط ہو جائیں کہ اسلام ہی کی باتیں معلوم ہوں ـــــ زوالِ دین کا سبب ہے۔

نجاست اور اس کے انواع

وَطِئَ اَحَدُکُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰی فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ

جب کسی کے جوتے کو پیشاب یا خانہ لگ جائے تو وہ مٹی پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے۔

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نجاست کے ازالہ کے لیے پانی متعین نہیں ہے فغایۃ الامر انہ نجس خفف فی تطھیرہ لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ منی ہے تو نجس مگر اس کی تطہیر کے طریقہ میں رگڑنے چھیلنے وغیرہ کی گنجائش رکھ کر تخفیف کر دی گئی ہے۔

یہ نجاست کی متعلقہ انواع کا بیان تھا جس کے ذیل میں بعض نجاسات کے ازالہ کی شرعی تدابیر بھی بتلا دی گئیں۔ آئندہ انشاء اللہ تطہیر نجاسات پر ذرا مفصل بحث ہوگی ـــــــــــــــ